گے۔ جبکہ آج ہمارے بڑے بڑے مفکر و دانشور بھی بھارت کو بہترین دوست قرار دے رہے ہیں اور سرحدوں کو بے معنی قرار دے کر کہہ رہے ہیں۔

پتھر کس کو مارو گے جب انکے سر بھی اپنے ہیں
سانجھی ہیں دیواریں سب کی سارے گھر بھی اپنے ہیں
اپنی ہیں وہ باہیں جن کے وار سے سینے پر
جن پر ہم نے زخم لگائے وہ پیکر بھی اپنے ہیں

بعض بھارتی محبت میں اس قدر اسیر ہو چکے ہیں کہ اپنے ملک کو ہی خاسر و نامراد قرار دے رہے ہیں۔ اس اصول کی اہمیت اس وقت اور بھی دو چند ہو جاتی ہے جب دشمن بھارت جیسا مکار ہو۔

دشمن کی جارحیت سے بچنے کے لئے جو ہمیں جہادی تربیت کا حکم دیا گیا تھا اس کے ایک حصے پر ہم نے عمل کر دیکھایا ہے۔ اب اسی جذبے و ولولے کے ساتھ اس کارروائی کو اپنے اندرونی محاذوں پر دہرانہ چاہئے۔ اب اگر عام آدمی کو چاغی کے پہاڑوں پر پھیلنے والے رنگوں اور روشنیوں کی جھلک اپنی زندگی اور اپنے گھر کے درو دیوار پر نظر نہ آئے تو آہستہ آہستہ یہ تاریخ ساز دن محض یوم تعطیل کے طور پر منایا جائے گا۔ اس کی حقیقت مفقود ہو جائے گی اور مال و وقت کے ضیاع کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

ہم میں سے ہر آدمی کو خواہ وہ کسی بھی حیثیت سے اس ملک کا باشندہ ہو یہ عزم کر لے کہ ہم اس دن کی اگلی سالگرہ اس حال میں منائیں کہ ہمارا ملک جہالت، کرپشن، دہشت گردی، فرقہ پرستی، غربت، بے روزگاری اور سود سے پاک ہو۔ اس میں سیاسی، معاشی، معاشرتی ڈسپلن ہو اور ان سب سے بڑھ کر شریعت اسلامیہ کا مکمل نفاذ ہو۔ کیونکہ اس کے پاکیزہ گلے میں ہماری تحفظ ابرو کی مالا ہے۔ اس کے ماتھے پر ہمارے مسائل کے حل کا جھومر لٹک رہا ہے۔ معاشرتی ضوابط اس کے سینے پر تمغوں کی صورت میں سجے ہیں۔ ہماری خارجہ پالیسی کے قواعد کا ید بیضاء اس کی آستین میں ہے۔ گویا ہماری زندگی کے اصول اس کے دامن میں یاقوتی حباب کی صورت میں مرصع ہیں۔ اسلام سرمایہ داروں کی شہ رگ پر خنجر برا ہے۔ مزدور کے تلخ اوقات کو خوشگوار بنانے کے لئے اکسیر اعظم کا حکم رکھتا ہے۔ جہاں یہ فحاشی اور بے حیائی کی جڑ اکھاڑ پھینکتا ہے وہاں وہ معاشی ناہمواریوں کا سدباب بھی احسن طریقے سے کرتا ہے۔

اگر ہم باعزت زندگی گزارنے کے متمنی ہیں تو پھر اسلام وہ واحد طریقہ کار ہے جو ہمارے خوابوں کی شرمندہ تعبیر کر سکتا ہے اور اس لحاظ سے بھی یہ ہم پر فرض ہے کہ پاکستان کی اساس ہے۔ جس کا نفاذ ہمارے ذمے قرض ہے جس کے چکانے کے ہم ذمہ دار ہیں۔

پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دین میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک ثمر

ایٹمی قوت کے طور پر اکیسویں صدی میں قدم رکھنے کے لئے ہمت ضرور کرنا پڑے گی۔ تاکہ پاکستان عالم اسلام کا قلعہ، اقوام عالم کے لئے امن و سکون کا گہوارہ اور ایک مثالی خطہ بن جائے جہاں مساوات محمدی چاروں طرف سایہ فگن ہو۔ اسی چراغ کی روشنی میں اگر ہم اکیسویں صدی میں داخل ہوئے تو بلا جھجک کہ سکیں گے۔

وقار انجمن ہم سے فروغ انجمن ہم ہیں
سکوت شب سے پوچھو صبح کی پہلی کرن ہم ہیں
طلوع آفتاب نو ہمارے نام پر ہو گا
وہ جسکی خاک کے ذرے ہیں خورشید وطن ہم ہیں
بہر صورت ہماری ذات سے ہیں سلسلے سارے
جنو کی سادگی ہم ہیں، خرد کا بانکپن ہم ہیں

امراء اور سلاطین کے نام

علامہ ابن جوزیؒ حکام و امراء اور سلاطین کی ایک کمزوری اور مغالطہ کا ذکر کرتے ہیں۔

معاصی پر اصرار کے ساتھ ساتھ ان کو صلحاء کی ملاقات کا بھی بڑا شوق ہوتا ہے اور ان سے وہ اپنے حق میں دعائیں کراتے ہیں۔ شیطان اس کو سمجھاتا ہے کہ اس سے گناہوں کا پلڑا ہلکا ہو جائے گا' حالانکہ اس خیر سے اس شر کاء رمصیہ نہیں ہو سکتا' ایک مرتبہ ایک تاجر ایک محصول وصول کرنے والے کے پاس سے گزرا' اس چنگی والے نے اس کی کشتی روک لی' وہ تاجر اپنے زمانے کے مشہور مرد صالح مالک بن دینار کے پاس آیا اور ان سے واقعہ بیان کیا' مالک بن دینار چنگی والے کے پاس گئے اور اس تاجر کی سفارش کی' اس نے ان کی بڑی تعظیم کی اور کہا کہ آپ نے کیوں زحمت فرمائی وہیں سے کہلوا دیا ہوتا ہم تعمیل کرتے' پھر اس نے ان سے دعا کی درخواست کی۔ انہوں برتن کی طرف اشارہ کر کے (جس میں وہ چنگی کا ناجائز روپیہ وصول کر کے رکھتا تھا) فرمایا کہ اس برتن سے کہو کہ وہ تمہارے لئے دعا کرے' پھر فرمایا کہ تمہارے حق میں کیا دعا کروں' جبکہ ہزار آدمی تمہارے لئے بد دعا کرتے ہیں کیا ایک آدمی کی سن لی جائے گی اور ہزار کی نہ سنی جائے گی۔

دولت مندوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے لوگ مساجد اور پلوں کی تعمیر میں بہت کچھ خرچ کرتے ہیں اور یہ کہ ان کا نام چلے اور یادگار رہے' چنانچہ وہ اس تعمیر پر اپنا نام کندہ کرواتے ہیں اگر رضائے الٰہی مقصود ہوتی تو اس کو کافی سمجھتے کہ اللہ دیکھتا اور جانتا ہے' ایسے لوگوں سے اگر صرف ایک دیوار بنانے کو کہا جائے جس پر ان کا نام کندہ نہ ہو تو وہ منظور نہ کریں گے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تصنیف ﴿تاریخ دعوت و عزیمت﴾ سے اقتباس